41

زبان گو میری ہے مگر بُلاوا خدا تعالیٰ کا ہے

(فرمودہ 24 نومبر 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"آج سے دس سال قبل اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنے کرم سے ایک فتنہ جماعت کے خلاف اٹھوایا تھا۔ تھا تو وہ فتنہ مگر الٰہی منشاءُ اس کے اٹھائے جانے میں یہ تھی کہ اُس کے ذریعہ سے جماعت میں بیداری اور ہوشیاری پیدا ہو۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

یعنی مسلمانوں کے لیے جو بَلاء بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اُس بلاء کے نیچے اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور احسان سے ایک بڑا خزانہ مخفی کر دیتا ہے۔ اِس وقت بیٹھے بٹھائے بغیر اِس کے کہ ہماری طرف سے کوئی انگیخت ہو احرار نے تمام پنجاب میں پروپیگنڈا کر کے قادیان میں ایک بہت بڑا جلسہ کرنے کی تیاری کی اور بڑے زور شور سے اعلان کیا کہ وہ قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے بلکہ بعض نے یہاں تک کہا کہ وہ مقبرہ بہشتی اور ہمارے دوسرے مقدس مقامات پر حملہ کریں گے۔ ایسے موقع پر قدرتی طور پر جماعت کو خود حفاظتی کی

ضرورت تھی اور نظارت امور عامہ نے جماعت کے دوستوں کو اطلاع دی کہ وہ اِس موقع پر قادیان جمع ہوں اور اپنے مقدس مقامات کی حفاظت کا فرض ادا کریں۔ یہ ایک جائز بات تھی۔ قادیان ہمارا مقدس مقام ہے نہ کہ احرار کا۔ قادیان ہمارا مرکز ہے نہ کہ احرار کا۔ اور اِس لیے اگر کسی شخص کو قادیان آنے کا حق ہے تو وہ احمدی ہے کسی دوسرے شخص کا یہ مذہبی حق نہیں۔ مگر اُس وقت کی پنجاب گورنمنٹ نے یہ نرالا طریق اختیار کیا کہ باوجود اِس کے کہ وہ اطلاع جو نظارت کی طرف سے احمدیوں کو قادیان میں جمع ہونے کی دی گئی تھی حکومت کی طرف سے یہ یقین دلائے جانے پر کہ وہ حفاظت کا انتظام پوری طرح کرے گی منسوخ کر دی گئی تھی اور جماعتوں کو لکھ دیا گیا تھا کہ ان کے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ اچانک کریمنل لاء ایمنڈمنٹ ایکٹ (CRIMINAL LAW AMENDMENT ACT) کے ماتحت حکومت کی طرف سے مجھے یہ نوٹس دیا گیا کہ قادیان میں جماعت کے آدمیوں کو بلانے کی آپ کو اجازت نہیں۔ یہ بالکل نئی قسم کی چیز تھی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات تھی جیسے کسی کے ماں باپ کو یا بچے کو لوگ مار رہے ہوں اور گورنمنٹ مارنے والوں کو تو کچھ نہ کہے مگر جسے مارا جا رہا ہے اُس کے رشتہ داروں کو حکم دیدے کہ تم اپنے گھروں سے باہر مت نکلو۔ غرض اُس وقت پنجاب بلکہ سارے ہندوستان میں ہمارے خلاف فضا مکدر ہو چکی تھی اور گورنمنٹ اور رعایا مل کر احمدیت کو کُچلنا چاہتے تھے۔

یہ حالات دیکھ کر مجھے اِس امر کا احساس ہوا کہ یہ نتیجہ ہے اِس امر کا کہ ہم نے تبلیغ میں کوتاہی کی ہے اور ہمیں قلیلُ التعداد اور تھوڑے سمجھ کر جو چاہتا ہے ہم پر ظلم کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ تبلیغ کے کام کو وسیع کرنا چاہیے اور جماعت کی قوت اور شوکت کو بڑھانے کے لیے ہر قسم کے سامان جمع کرنے چاہیں۔ اِس خیال کے ماتحت دس سال پہلے مَیں نے ایک تحریک جاری کی جس کا نام اب تحریک جدید مشہور ہو چکا ہے۔ اس تحریک کے کرنے کے وقت خود میرے دل میں اِس کی پوری اہمیت نہ تھی اور نہ ہی کام کی وسعت کا اندازہ تھا۔ مَیں نے نوجوانوں کو پکارا کہ وہ آگے آئیں بغیر اِس کے کہ کوئی خاص تعداد میرے ذہن میں مستحضر ہو۔ جماعت کے نوجوانوں نے دلیری سے آگے

بڑھ کر میری اِس آواز پر لبیک کہا۔ پھر میں نے جماعت کے آسودہ حال لوگوں کو پکارا کہ وہ اپنے روپوں کو پیش کریں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے باوجود اِس کے کہ مَیں نے کُل 27 ہزار کا مطالبہ کیا تھا اور وہ بھی تین سال میں۔ مگر جماعت نے پہلے ہی سال ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ پیش کر دیا اور تین سال میں بجائے 27 ہزار کے چار لاکھ کے قریب جمع کر دیا۔ اور جُوں جُوں یہ کام وسیع ہوتا جاتا ہے اس کی اہمیت بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوتی جاتی ہے۔

اِس تحریک کے پہلے دَور کی میعاد دس سال تھی اور یہ اس دور کا آخری مہینہ ہے اور اِس کے ساتھ پہلے دَور کی میعاد پوری ہو جائے گی۔ اِس دَور میں اللہ تعالیٰ نے جماعت کو جس قربانی کی توفیق دی ہے۔ اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ اُس نے اس عرصہ میں جو چندہ اِس تحریک میں دیا وہ 13، 14 لاکھ روپیہ بنتا ہے۔ اور اِس روپیہ سے جہاں ہم نے اِس دس سال کے عرصہ میں ضروری اخراجات کیے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ریزرو فنڈ بھی قائم کیا ہے اور اِس ریزرو فنڈ کی مقدار 280 مربع زمین ہے۔ اِس کے علاوہ ابھی ایک سَو مربع زمین ایسی ہے جس میں سے کچھ حصہ کے خریدنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ کچھ حصہ گو خریدا تو گیا ہے مگر اس پر ابھی قرض ہے۔ اسے اگر شامل کر لیا جائے تو کُل رقبہ 380 مربع ہو جاتا ہے۔ اگر پنجاب کی زمینوں کی قیمتوں پر قیاس کیا جائے تو یہ تمام زمین قریباً ستّر اسّی لاکھ روپیہ کی ہوتی ہے۔ مگر آج کل سندھ میں زمین کی جو قیمتیں ہیں اُن کے لحاظ سے بھی یہ جائیداد 25، 26 لاکھ روپیہ کی ہے جو ہمارے قبضہ میں آچکی ہے یا خریدی گئی ہے یا جس کے بیانے دیئے جا چکے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس عرصہ میں جہاں ہمیں کام کے جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائی وہاں ریزرو فنڈ کے قائم کرنے کی بھی توفیق بخشی۔ مگر جو کام ہمارے سامنے ہے اُس کے لحاظ سے یہ ریزرو فنڈ ابھی اِتنا بھی نہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں قطرہ ہوتا ہے۔ بہت بڑا کام ہمارے سامنے ہے اور ہم پر بہت بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ اِس دوران میں تحریک جدید کے ماتحت ہمارے مبلغ جاپان میں گئے، تحریک جدید کے ماتحت چین میں مبلغ گئے، تحریک جدید کے ماتحت سماٹرا اور جاوا میں مبلغ گئے، سنگاپور میں گئے اور اِس تحریک کے ماتحت خدا تعالیٰ کے فضل سے سپین، اٹلی، ہنگری، پولینڈ، البانیہ، یوگوسلاویہ اور امریکہ میں بھی مبلغ گئے

اور افریقہ کے بعض ساحلوں پر بھی اِسی تحریک کے ماتحت مبلغ گئے اور ان مبلغین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور سلسلہ سے لاکھوں لوگ روشناس ہوئے اور دنیا کے دور دراز کناروں تک اس تحریک کے ماتحت احمدیت کا نام اور اس کی شُہرت پہنچی۔ تحریک کے شروع میں جو مبلغ لیے گئے وہ ہنگامی طور پر لیے گئے تھے اُن کی تبلیغی تعلیم پوری نہ تھی۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ اور ان مبلغین میں سے بعض اِس وقت لاپتہ ہیں۔ مثلاً مولوی محمد الدین صاحب یہاں سے افریقہ بھیجے گئے تھے۔ راستہ میں وہ جہاز جس میں وہ سفر کر رہے تھے غرق ہو گیا اور اب ہمیں پتہ نہیں کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ اگر زندہ ہیں تو اِس وقت کہاں ہیں۔

تحریک جدید کے بعض مبلغین اِس وقت دشمن کے ہاتھوں میں قیدی ہیں۔ سٹریٹ سیٹلمنٹ میں ہمارے مبلغ مولوی غلام حسین صاحب ایاز تھے، جاوا سماٹرا میں مولوی شاہ محمد صاحب اور ملک عزیز احمد صاحب گئے تھے اور یہ تینوں اِس وقت جاپانیوں کی قید میں ہیں۔ تو گویا یہ تین قید ہیں اور ایک اِس وقت تک لاپتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس دس سال کے عرصہ میں سلسلہ کو خاص ترقی دی اور احمدیت کا نام اور اِس کی شُہرت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ اور یہ ایک ایسی غیر معمولی کامیابی ہے کہ جس کی مثال ہمارے سلسلہ کے دَورِ خلافت میں نہیں ملتی۔ مگر یہ کام اِس قسم کا نہیں کہ آج ہی ہم اِسے ختم کر دیں۔ بے شک ہم نے ایک ریزرو فنڈ تو قائم کیا ہے مگر کام کی وسعت کے مقابلہ میں یہ بہت ہی کم ہے۔ سندھ میں زمینداری کا کام ابھی نیا نیا ہے اور یہ کام کرانے والے بھی ابھی نئے ہیں اور زمیندارہ کام سے ناواقف ہیں بلکہ کام کرنے والے بھی ابھی ناواقف ہیں۔ اس لیے وہاں زمین کی آمد ابھی پنجاب کی زمینوں کی آمد کی نسبت دسواں بیسواں حصہ بھی نہیں اور اِس وقت کُل آمد پچاس ساٹھ ہزار روپیہ سے زیادہ نہیں۔ اور جیسا کہ مَیں بتا چکا ہوں زمین کا کچھ حصہ ابھی ایسا ہے جس کی قیمت بھی ابھی ادا کرنی ہے۔ کچھ قرضے بھی ہیں اور اندازہ ہے کہ جب ساری زمین پوری طرح آزاد ہو جائے گی اور قرضے وغیرہ اُتر جائیں گے تو لاکھ سَوا لاکھ روپیہ تک آمد ہو سکے گی۔ ابھی چار لاکھ روپیہ کے قریب بار اِس زمین پر ہے۔ گو کچھ روپیہ ہمارے پاس محفوظ بھی ہے

مگر اسے نکال کر بھی دو اڑھائی لاکھ روپیہ کے قریب رقم قرضہ کی ہے اور ہم نے ادا کرنا ہے۔ اور اس عرصہ میں جو اخراجات ہوں گے وہ علاوہ ہیں۔

جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں ہمارے سامنے جو کام ہے وہ بہت بڑا ہے اور ہماری ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ ابھی تک ہم ہندوستان سے باہر تبلیغ کی طرف بہت تھوڑی توجہ دے سکے ہیں کیونکہ اس کے لیے ابھی مبلغ تیار نہیں ہو سکے۔ مگر پھر بھی اِس وقت تحریک کا ستّر اسّی ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہے۔ اس کے علاوہ اب بعض نئے کام بھی جاری کیے گئے ہیں سال کے اخراجات علاوہ ہیں اور یہ سب ملا کر تین لاکھ کے قریب کل خرچ ہے۔ اور پھر اِس کام کو چلانے کے لیے الگ روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ قرضے جو ابھی ادا کرنے ہیں وہ اِس کے علاوہ ہیں اور انہیں ادا کر کے ہی زمین کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔ پھر ریزرو فنڈ کو بڑھانے اور اسے مضبوط کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اور یہ سب کام ایسے ہیں کہ اِن کے لیے روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ اِس عرصہ میں ہم نے تبلیغ کو وسیع کرنے کے لیے جو تیاری کی ہے اِس کے سلسلہ میں چالیس کے قریب نوجوان ہیں جو تیار کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے بیس کے قریب تو ایسے ہیں کہ جو اپنی تعلیم کو جلد ہی ختم کرنے والے ہیں اور بیس کے قریب ابھی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ تین چار سال میں اپنی تعلیم کو مکمل کر سکیں گے اور کام کے قابل ہو سکیں گے۔

اِس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حکمت کے ماتحت یہ بات بھی سُجھا دی کہ تحریک جدید کے ماتحت علماء کی تیاری کا کام کس قدر اہم ہے اور وہ اِس طرح کہ اِس عرصہ میں علمی لحاظ سے بعض ایسے صدمے پہنچے کہ مَیں نے محسوس کیا کہ اگر ہماری غفلت اِسی طرح جاری رہی تو جماعت علماء سے محروم ہو جائے گی۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی وفات بھی اِسی عرصہ میں ہوئی اور پھر میر محمد اسحٰق صاحب فوت ہو گئے اور اِس طرح پرانی طرز کے علماء میں سے صرف مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب باقی رہ گئے۔ پہلے علماء میں سے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب، مولوی برہان الدین صاحب، مولوی غلام حسین صاحب، مولوی برہان الملک صاحب مشہور صَرفی عالم، حضرت خلیفہ اول اور مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی

تھے۔ ان میں سے چار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر خلافتِ اولیٰ تک وفات پا گئے۔ ان کے بعد مولوی عبد القادر صاحب، مولوی برہان الملک صاحب، قاضی امیر حسین صاحب، مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب، حافظ روشن علی صاحب اور میر محمد اسحٰق صاحب باقی رہ گئے۔ اور اِس عرصہ میں جماعت کی توجہ ایسے کاموں کی طرف رہی کہ اسے علماء پیدا کرنے کا خیال ہی نہ آیا اور اس نے ایسے علماء پیدا کرنے کا کوئی انتظام نہ کیا جو ہر قسم کے دینی علوم کی تعلیم دے سکتے ہوں۔ اور اِس وقت یہ حالت ہے کہ اِس قسم کے علماء میں سے صرف ایک باقی ہیں۔ یعنی سید محمد سرور شاہ صاحب اور وہ بھی اب نہایت ضعیف العمر ہو چکے ہیں۔ اِس وقت ان کی عمر ستّر سال کے قریب ہے۔ جس طرح حضرت مولوی عبد الکریم صاحب اور مولوی برہان الدین صاحب کی وفات کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی توجہ اِس طرف مبذول ہوئی کہ ایک مدرسہ قائم کیا جانا چاہیے جہاں ان علماء کے جانشین تیار ہو سکیں اور آپ نے مدرسہ احمدیہ جاری کرایا۔ اِسی طرح میر محمد اسحٰق صاحب کی وفات کے بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ جماعت میں علماء کی تیاری کا کام بہت تیزی سے ہونا چاہیے۔ اگرچہ جامعہ احمدیہ موجود ہے اور اِس میں بہت سے نوجوان مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کرتے تھے مگر اِس زمانہ کے مولوی فاضل پاس اور پرانی طرز کے علماء میں بہت بڑا فرق ہے۔ مولوی فاضل کا امتحان ایک خاص قسم کا نصاب پڑھ کر دیا جاسکتا ہے۔ مگر اسے پاس کر کے کوئی شخص ایسا عالم نہیں ہو سکتا کہ ہر قسم کی علمی مشکل کو حل کرنے کے قابل ہو۔ بہت سی علمی کتابیں ایسی ہیں کہ جنہیں نہ وہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی اُن کے پڑھنے کا ان کو موقع مل سکتا ہے اور اِس لیے جو علماء تیار ہو رہے تھے وہ درمیانی قسم کے تھے۔ مگر کسی قوم کے دیگر اقوام پر غالب آنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس میں ایسے چوٹی کے علماء ہوں جو ہر علم و فن کے ہر گوشہ میں مخالفین کو شکست دے سکیں۔ مثلاً فقہ کا علم ہے اِس کے ایسے علماء ہوں جو فقہی لحاظ سے بھی احمدیت کے نقطۂ نگاہ کی فضیلت ثابت کر سکیں۔ پھر احادیث کا علم ہے، پرانی تفاسیر ہیں، فلسفہ ہے تو ہر فن کے ایسے علماء کا جماعت میں ہونا ضروری ہے جو احمدیت کے نقطہ نگاہ کی فضیلت ثابت کر سکیں اور اس کے لیے ضروری ہے

کہ احادیث، تفسیر اور فلسفہ وغیرہ علوم کے اعلیٰ درجہ کے ماہر علماء ہم میں موجود ہوں۔ قرآن کریم کی ادبی شان اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ادبی شان کو ظاہر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صَرف و نحو اور ادب میں اعلیٰ درجہ کا کمال رکھنے والے علماء ہم میں پائے جاتے ہوں اور اِس لیے اِن علوم کی تکمیل کرانا انتہائی طور پر ضروری ہے۔ اِس کے بغیر علمی لحاظ سے احمدیت کو دنیا میں غالب کرنا ممکن نہیں۔ فرض کرو ہمارا ایک مبلغ مصر جاتا ہے۔ وہاں جامعہ ازہر ہے جو نہ صرف مصر بلکہ تمام دنیا میں علمی لحاظ سے ایک چوٹی کی جگہ ہے۔ وہاں ہمارا ایک مبلغ جائے اور اُن علوم میں جو وہاں پڑھائے جاتے ہیں وہاں کے علماء کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تو گو یہ تو صحیح ہے کہ ہمیں مذہبی شکست تو نہ ہوگی مگر مخالفین کو شور مچانے کا موقع تو ضرور مل جائے گا اور یہ بات بہت سے لوگوں کے لیے ہدایت سے محروم ہو جانے کا ذریعہ ہو جائے گی۔ اِسی طرح ہندوستان میں دیوبند ہے جو علمی لحاظ سے کافی شُہرت رکھتا ہے۔ اگر ہمارے علماء وہاں کے علوم سے واقف نہ ہوں اور وہاں کے علماء کو ساکت نہ کر سکیں تو وہاں کے علماء اپنے علمی غرور میں سچائی کو ماننے سے محروم رہ جائیں گے اور اُن کے ماننے والے بھی ہدایت نہ پا سکیں گے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو صداقت کو اُس کے اصل معیار پر پرکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اُسی قسم کے ہوتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ تھے۔ وہ لوگ نہ صَرف و نحو سے واقف تھے اور نہ دیگر ایسے علوم سے۔ حدیث کے قواعد تو مدوّن ہی بعد میں ہوئے۔ وہ تو صرف اِتنا جانتے تھے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ بات سُنی اور اُسے آگے سنانا ہے۔ اُس وقت تک اسناد وغیرہ کے متعلق پیچیدگیاں پیدا ہی نہ ہوئی تھیں۔ یہ تو سَو دو سَو سال بعد میں ہوئی ہیں۔ تو اصل صداقت معلوم کرنے کے لیے اِن باتوں کی ضرورت نہیں۔ مگر جن لوگوں سے ہمارا مقابلہ ہے اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے اِن کی ضرورت ہے۔ اور پھر وسعتِ نظر کے لیے بھی یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہر قسم کے علوم سے مزیّن علماء اور چوٹی کے علماء جماعت میں موجود ہوں۔ اور میر محمد اسحٰق صاحب کی وفات نے میری زیادہ توجہ اِس طرف پھیری کہ جماعت میں چوٹی کے علماء پیدا کرنے کے لیے زیادہ تیزی سے کام ہونا چاہیے۔ گو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مَیں ایک سال پہلے سے ہی اس

طرف توجہ کر رہا تھا، تعلیم کے طریق مَیں تبدیل کر چکا تھا مگر میر صاحب کی وفات پر اِس طرف اَور زیادہ توجہ ہوئی اور دو درجن کے قریب طلباء کو مَیں نے اعلیٰ علوم کی تکمیل کے لیے مقرر کر دیا ہے۔

غرض اب جبکہ تحریک جدید کے پہلے دس سال کا دَور ختم ہونے کو ہے، کام کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اِس کی مشکلات آگے سے بہت زیادہ واضح ہو چکی ہیں۔ چنانچہ جماعت کو بھی اِس کا احساس ہو رہا ہے اور بعض دوست مجھے لکھ رہے ہیں کہ اِس عرصہ میں ہمیں قربانی کی عادت ہو گئی ہے۔ اب یہ دَور ختم ہونے والا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آئندہ ہم اِس نیکی سے محروم ہو جائیں۔ کسی نہ کسی صورت میں اِس قربانی کا دروازہ جماعت کے لیے کُھلا رہنا چاہیے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے دلوں میں کہتے ہوں گے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمیں اِس تحریک میں حصہ لینے کا موقع مل گیا۔ اب دس سال پورے ہو رہے ہیں اور یہ تحریک ختم ہو جائے گی اور ہمیں آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور عجیب بات ہے کہ عین اِس موقع پر جب تحریک جدید کے دس سال پورے ہونے کو ہیں اللہ تعالیٰ نے جماعت کے خلاف بعض فتنے پیدا کر دیے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ جماعت کے بعض دوستوں کے دلوں میں سُستی کے خیالات پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ اِن فِتن میں سے ایک تو یہ ہے کہ احرار نے پھر قادیان میں جلسہ منعقد کرنے کی کوشش کی اور اِس کی بنیاد اِس امر پر رکھی کہ مَیں نے دہلی میں کہا تھا کہ احراری قادیان میں آئیں اور جلسہ کریں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ جب دہلی میں جلسہ ہوا اور مَیں وہاں گیا تو وہاں بعض لوگوں نے ہمارے خلاف سخت فتنہ اٹھایا، بہت سے پتھر مارے اور حملہ کر دیا اور اِس طرح کوشش کی کہ جلسہ نہ ہو سکے اور لوگ ہماری باتیں نہ سن سکیں۔ اِس پر مَیں نے کہا کہ یہ طریق بالکل غلط اور اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ ہماری باتیں سننے میں اِن لوگوں کا کیا حرج ہے۔ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ حق اُن کے پاس ہے تو پھر ہماری باتیں سننے سے اُن کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے، اور پھر میں نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ خیال کرتے ہیں کہ جو لوگ احمدی ہوئے ہیں وہ اِس وجہ سے ہوئے ہیں کہ ان لوگوں کی باتیں سننے کا اُن کو موقع نہیں مل سکا تو بے شک اپنے نقطہ نگاہ کو احمدیوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے

اُن کا کوئی عالم قادیان آئے۔ مَیں اُس کا خرچ بھی خود دوں گا اور جماعت کے دوستوں کو بھی جمع کرادوں گا تاوہ اُنہیں اپنی باتیں سُنا سکے۔ اب ظاہر ہے کہ اِس بات کا کہ جو آئے گا اُس کا خرچ مَیں دوں گا اور اُس کی تقریر سننے کے لیے احمدیوں کو جمع بھی کرادوں گا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ جو آئے گا وہ مجھے پوچھ کر آئے گا اور مجھ سے دریافت کر کے کہ آپ میری تقریر سننے کے لیے کب احمدیوں کو جمع کر سکیں گے آئے گا۔ میری بات کے یہ معنی تو کسی صورت میں بھی نہیں ہوسکتے کہ تمام ملک میں سے غیر احمدیوں کو قادیان پر یورش کرنے کی مَیں نے دعوت دی ہے۔ مَیں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ غیر احمدی اکٹھے ہو کر قادیان آئیں اور اپنے مولویوں کی تقریریں سُنیں۔ بلکہ مَیں نے تو یہ کہا تھا کہ غیر احمدیوں کے کوئی بڑے مولوی اگر احمدیوں کو اپنی باتیں سنانے کے لیے آنا چاہیں تو مَیں اُن کا خرچ بھی برداشت کروں گا اور ان کی باتیں سننے کے لیے احمدیوں کو جمع بھی کرادوں گا۔ غیر احمدیوں کو اپنے مولویوں کی باتیں سننے کے لیے قادیان آنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو ان کی باتیں دہلی میں بھی سن سکتے ہیں، لاہور میں بھی سن سکتے ہیں، امرتسر میں بھی سن سکتے ہیں۔ اُن کو یہاں آکر سننے کی کیا ضرورت ہے؟ میری غرض تو یہ تھی کہ غیر احمدی علماء کا اگر یہ خیال ہو کہ جو لوگ احمدی ہوئے وہ اِس وجہ سے ہوئے ہیں کہ ہماری باتیں سننے کا اُنہیں موقع نہیں مل سکا تو وہ بے شک قادیان آکر اپنی باتیں احمدیوں کو سنائیں مَیں اُن کا خرچ بھی خود دوں گا۔ اور یہ بات مَیں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر اُن کے کوئی بڑے عالم مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب یا مولوی شبیر حسین صاحب دیوبندی مجھے لکھیں کہ وہ قادیان میں آکر احمدیوں کو اپنی باتیں سنانا چاہتے ہیں اور ان کے آنے پر غیر احمدیوں کا کوئی مظاہرہ یا جلسہ نہ ہو گا تو مَیں اِس کا انتظام کر دوں گا اور اُن کا خرچ بھی ادا کروں گا اور مَیں خود گورنمنٹ سے بھی یہ کہوں گا کہ اِس میں کوئی حرج نہیں اور اِس میں کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ اجتماع احمدیوں کا ہو گا صرف ایک دو مولوی صاحبان تقریر کرنے والے باہر سے آئیں گے اور اِس صورت میں فتنہ کا کوئی خوف نہیں۔ مگر مَیں نے تو کہا تھا کہ اگر کوئی غیر احمدی عالم احمدیوں کو اپنی باتیں سنانے کے لیے قادیان آنا چاہے تو بے شک آئے مَیں اُس کا خرچ بھی دوں گا مگر اِن لوگوں نے سارے ہندوستان میں اعلان کیا کہ غیر احمدی کثرت سے

قادیان پہنچیں اور وہاں ہماری باتیں سُنیں۔ حالانکہ غیر احمدیوں کو اپنے علماء کی باتیں سننے کے لیے قادیان آنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ یہ باتیں تو ہر جگہ سن سکتے ہیں۔ کسی غیر احمدی عالم کے یہاں آنے کی غرض تو یہی ہو سکتی ہے کہ احمدیوں کو وہ باتیں سنائی جائیں۔ پس مَیں اب بھی وہ بات کہتا ہوں جو دہلی میں کہی تھی کہ اگر کوئی غیر احمدیوں کا بڑا عالم یہاں آکر اپنی باتیں احمدیوں کو سنانا چاہے تو اُس کا انتظام کر دوں گا اور اُس کا خرچ بھی دوں گا اور گورنمنٹ سے بھی یہ کہہ دوں گا کہ اُس کے یہاں آنے اور تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور وہ احمدیوں کے سامنے تقریر کرے تا اُسے تسلی ہو سکے کہ جن لوگوں نے احمدیت کو قبول کیا ہے ناواقفیت کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اچھی طرح موازنہ کر کے کیا ہے۔ اور اگر اُس کا یہ خیال درست ہو گا کہ جو لوگ احمدی ہوئے ہیں وہ دھوکا کا شکار ہوئے ہیں تو اُس کی تقریر سننے والے احمدی خود بخود اُس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو اُس تقریر کو سن کر ان کے ایمان اَور زیادہ مضبوط ہوں گے۔ غرض اِن دونوں باتوں میں یعنی جو کچھ مَیں نے دہلی میں کہا اور جو کچھ احرار نے میری طرف منسوب کیا زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مَیں نے تو کہا تھا کہ ان کے علماء قادیان میں آکر احمدیوں کو اپنی باتیں سنانا چاہیں تو مَیں اس کا انتظام کر دوں گا۔ مگر اُنہوں نے سارے ہندوستان میں یہ ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ غیر احمدی جمع ہو کر قادیان چلیں۔ میں نے تو کہا تھا کہ اُن کی تقریر کے لیے انتظام مَیں کر دوں گا۔ مگر اُنہوں نے خود ہی لوگوں کو جمع کر کے قادیان میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔

قادیان ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اِس کی آبادی تیرہ چودہ ہزار سے زیادہ نہیں اور اِس میں احمدیوں کی آبادی قریباً دس ہزار ہو گی۔ تو ایک ایسی چھوٹی سی بستی میں چاروں طرف سے مخالفین کو اکٹھا کر کے لانا ایک ایسی بات ہے کہ کون امید کر سکتا ہے کہ یہ فتنہ کا موجب نہ ہو گی۔ پھر ان لوگوں کی طرف سے اشتعال بھی دلایا جا رہا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بعض لوگ اِس بات پر آمادہ ہو جاتے کہ ہمارے مقدس مقامات پر حملہ کر دیں۔ جیسا کہ پہلے ان کی طرف سے اِس ارادہ کا اظہار بھی ہو چکا ہے۔ پس ان لوگوں نے جو کچھ کرنا چاہا وہ میری تجویز ہرگز نہ تھی۔ مَیں نے جو بات پیش کی تھی اُس کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو اَب بھی انتظام

ہو سکتا ہے۔ وہ ایسی بات ہے کہ جس پر گورنمنٹ کو بھی اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔ اگر قادیان میں احمدی جمع ہوں اور اُس مجمع میں کوئی غیر احمدی مولوی تقریر کرے تو گورنمنٹ کو فساد کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا اور ایسے اجتماع کے انعقاد کے لیے مَیں بھی اُن کے ساتھ مل کر گورنمنٹ سے اجازت لینے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ اس میں فتنہ کا کوئی خدشہ نہیں۔ مگر ان لوگوں نے ایک نرالا ڈھونگ رچایا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے قادیان پر یورش کرنا چاہی اور جب گورنمنٹ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی تو شور مچا دیا کہ احمدیوں نے ہمارا جلسہ بند کرا دیا۔ یہ صحیح ہے کہ سلسلہ کے ایک افسر نے اِس بارہ میں ذمہ دار سرکاری افسر سے ملاقات کی تھی مگر جب وہ ملا تو اُس سرکاری افسر نے کہا کہ مَیں تو دو روز ہوئے اِس جلسہ کے بند کیے جانے کا حکم دے چکا ہوں۔ پس یہ بات غلط ہے کہ ان کے جلسہ میں روک جو پیدا ہوئی وہ ہماری وجہ سے ہوئی اور اِس طرح یہ بات بھی غلط ہے کہ ہمارے بعض جلسوں پر اُنہوں نے جو حملے کیے، پتھر پھینکے اور احمدیوں کو زخمی کیا اُس کی وجہ قادیان میں اُن کے جلسہ کا بند کیا جانا ہے۔ کیونکہ دہلی میں تو ہمارا جلسہ قادیان میں اُن کے جلسہ کے اعلان سے بھی بہت پہلے منعقد ہوا تھا اور وہاں ہمارے جلسے پر ان لوگوں نے پتھر پھینکے اور حملے کیے تھے۔ پس اُن کا یہ کہنا کہ لاہور اور امرتسر وغیرہ مقامات پر سیرت النبیؐ کے جلسوں کے موقع پر ان لوگوں نے جو حملے کیے ہیں وہ قادیان میں ان کے جلسہ کو بند کرانے کا انتقام لیا ہے بالکل غلط ہے۔ دہلی میں ہمارے جلسہ پر اِس قدر سخت پتھراؤ کے بعد یہ کہنا کہ یہ قادیان میں ان کے جلسہ نہ ہونے دیے جانے کا انتقام ہے صریح جھوٹ ہے۔ پہلے ان لوگوں نے لدھیانہ میں ہمارے جلسہ کے موقع پر گالیاں دیں، پتھر پھینکے اور سوانگ[1] نکالے۔ پھر دہلی میں ہمارے جلسے پر پتھراؤ کیا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی جب آپ دہلی تشریف لے گئے تو مخالفین نے سخت شور و شر کیا۔ پھر امرتسر میں جلسہ کو روکا اور پتھر پھینکے۔ لاہور میں بھی اِسی طرح کیا۔ یہ سب کچھ نصف صدی پہلے ان کے قادیان میں کونسے جلسہ کو روکے جانے کے انتقام کے طور پر کیا گیا تھا؟ اب بھی ان کے جلسہ کو اگر روکا تو حکومت نے روکا۔ اور وہ اِس لیے کہ اِس سے فتنہ و فساد کی بُو آتی تھی۔ مگر یہ لوگ تو ہمیشہ سے ہمارے جلسوں پر پتھراؤ کرتے

آئے ہیں۔ 1931ء میں جب مَیں سیالکوٹ گیا تو میری تقریر کے وقت انہی مولوی عطاء اللہ صاحب کی انگیخت پر قریباً بیس ہزار کا مجمع پورا ایک گھنٹہ اور پانچ منٹ ہم پر پتھراؤ کرتا رہا اور پھر ان پتھراؤ کرنے والوں کی بہادری یہ تھی کہ جب مسٹر یوسٹس نے جو اُس وقت وہاں ڈپٹی کمشنر تھے حکم دیا کہ اگر پانچ منٹ تک یہ مجمع منتشر نہ ہوا تو وہ پولیس کو حملہ کرنے کا حکم دیں گے۔ تو پانچ منٹ کے اندر اندر ہی یہ لوگ اِس طرح جلسہ گاہ سے غائب ہو گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ پس ان لوگوں کا ہمارے جلسوں پر حملے کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ اِن فتنوں کے اِس وقت اٹھنے میں اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ جماعت کو متنبہ کرے کہ اپنے آپ کو امن میں نہ سمجھنا۔ فتنے ابھی موجود ہیں اور دشمن احمدیت کو مٹانے کے لیے کھڑا ہے۔ اگر اِن حالات سے جماعت آنکھیں بند کر لے تو اِس کی مثال وہی ہوگی کہ جیسے کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور وہ کسی بہتر نتیجہ کی امید نہیں کر سکتی۔ پس یہ سامان اللہ تعالیٰ نے خود اِس لیے پیدا کیا ہے کہ تا دلوں سے غفلت کو دور کرے اور ہماری سُستیوں کے ازالہ کا سامان فرمائے اور جیسا کہ اِس سال کے شروع میں اُس نے مجھے رؤیا میں دکھایا تھا کہ اسلام کے لیے جنگ کرنے میں مجھے دنیا میں دَوڑنا ہوگا اور جب مَیں دوڑوں گا تو اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے رکھا ہے دَوڑنا لازمی ہو گا۔ بیعت کرتے وقت ہاتھ میں ہاتھ دینے کے ایک معنے یہ بھی ہوتے ہیں کہ جس طرح ماں باپ جب تیز چلنے لگتے ہیں تو بچہ کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں تا وہ ساتھ ساتھ چل سکے اِسی طرح بیعت کرنے والا بھی ہاتھ میں ہاتھ دے کر ساتھ چلنے کا اقرار کرتا ہے۔ پس مَیں جب دَوڑوں گا تو جن لوگوں نے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی ہے اُن کے لیے بھی لازمی ہو گا کہ یا تو میرے ساتھ دَوڑیں اور یا پھر اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔ اور جو شخص میرے ساتھ دوڑنے میں کوتاہی کرتا ہے وہ گویا اپنی بیعت کے ناقص ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

یاد رکھو! کہ آج اسلام سے زیادہ کوئی مذہب حقیر اور کمزور نہیں۔ وہی طاقتیں جو کسی زمانہ میں اِس کی قوت کا موجب تھیں مثلاً ایران، افغانستان، بخارا، مصر وغیرہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی ہیں کہ ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ اگر مصر، مراکو، الجیریا، سوڈان،

عرب، شام، فلسطین، ترکی، بخارا، البانیہ، ایران، افغانستان سب ایک حکومت کے ماتحت ہوتے تو دس بارہ کروڑ کی آبادی اس کی ہوتی۔ جیسے امریکہ کی ہے اور اِس صورت میں اِس کی کوئی آواز بھی ہوتی۔ مگر اب تو ایسا وقت ہے کہ شاید ان کی بات سننے کے لیے بھی کوئی تیار نہ ہوگا۔ نام کو تو یہ کئی حکومتیں ہیں مگر چھوٹی چھوٹی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی آواز نہیں۔ وہی حکومتیں جو آزادی کے نام پر جنگ کر رہی ہیں اُن میں سے ایک نے ایران کو نوٹس دیا ہے کہ اپنے تیل کے ذخائر ہمارے حوالے کر دو۔ کیا یہی نوٹس کوئی انگلستان، امریکہ یا روس کو دے سکتا ہے؟ جس چیز کا ہزارواں حصہ اپنے بارہ میں مداخلت سمجھا جاتا ہے اُس بات کو دوسرے کمزور ہمسایوں کے بارہ میں حق اور جائز سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف کمزوری کا نتیجہ ہے۔

غرض آج مسلمانوں کا کوئی وقار دنیا میں نہیں۔ پھر علمی لحاظ سے بھی ان کا وجود مٹتا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے پرانے علماء کی بھی یہی رائے ہے کہ پرانے علوم اب مٹتے جا رہے ہیں اور اب مسلمانوں میں ان کے حصول کا شوق باقی نہیں رہا۔ مصر کی ازہر یونیورسٹی جو اِن علوم کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے اس سے لوگوں کی دلچسپی بھی کم ہو رہی ہے۔ مصر میں بھی نئے علوم کی یونیورسٹیاں قائم ہو رہی ہیں اور ہوشیار طلباء زیادہ تر اُن ہی میں داخل ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں میں اب تصوف بھی باقی نہیں رہا۔ پہلے تو تصوف کے یہ معنے تھے کہ تصوف کی گدی پر بیٹھنے اور اس رستہ پر چلنے والا اللہ تعالیٰ کی ڈیوڑھی کا دربان ہوتا تھا مگر آج صوفی کے معنے دنیا کے پیسوں کا رکھوالا کے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت اب ان کے ساتھ نہیں رہی اور صوفی کہلانے والے توکّل کے مقام سے بہت دور ہیں اور اب صوفیوں میں عام دنیا داروں والی باتیں پائی جاتی ہیں۔ مولوی امام الدین صاحب مرحوم جو قاضی اکمل صاحب کے والد تھے اُن کو تصوف کی باتوں کا بہت خیال رہتا تھا اور وہ ہمیشہ مجھ سے سوال کیا کرتے تھے کہ پرانے صوفیاء کی مجالس میں جو باتیں ہوتی تھیں وہ یہاں نہیں ہیں۔ کبھی عرش پر سجدے اور کبھی عرش پر خدا تعالیٰ سے باتیں ہوتی تھیں۔ یہ کمالات یہاں بھی دکھائے جائیں۔ مَیں اُن کو جواب دیا کرتا تھا مگر اُن کی تسلّی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا اور مَیں نے

اُن سے کہا کہ آپ یہ بتائیں کہ بادشاہ کے نوکر کو کبھی یہ بھی فکر ہو سکتا ہے کہ اُسے کھانا کہاں سے ملے گا؟ وہ تو جانتا ہے کہ جہاں سے بادشاہ کے لیے آئے گا اُس کے لیے بھی آجائے گا۔ اگر ان صوفیاء میں جن کی مجالس کے قصّے آپ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکّل ہو تو اُنہیں کوئی ذاتی ہوس نہ ہو اور دنیا کی محبت اُن کے قلوب سے سرد ہو جائے۔ آپ جن صوفیاء کا ذکر کرتے ہیں کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اُن میں حقیقی توکّل پایا جاتا ہے؟ اور کیا اُنہیں اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان ہے کہ وہ خود اُن کا کفیل ہو گا اور یہ کہ انہیں بندوں کی مدد کی ضرورت نہیں؟ اِس پر اُن کی سمجھ میں بات آگئی اور اُنہوں نے کہا کہ بس اب مَیں سمجھ گیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے ایک استاد تھے اور جب بھی مَیں اِس قسم کے سوالات کرتا تھا تو مجھے انہی کا خیال آیا کرتا تھا مگر اُن کی عادت یہ تھی کہ جب غلہ نکلنے کا موسم آتا تو وہ زمینداروں سے کہا کرتے تھے کہ ہمارا بھی خیال رکھنا۔ تو آج صوفیاء میں حقیقی توکّل نام کو باقی نہیں رہا۔ کئی ایسے ہیں جو تصوف کی آڑ میں ٹھگ بنے پھرتے ہیں اور لوگوں کے زیورات اور نقدی وغیرہ کسی نہ کسی بہانہ سے ٹھگ کر لے جاتے ہیں۔ آج مسلمانوں میں نہ ظاہری شان و شوکت ہے نہ علومِ ظاہری ہیں اور نہ تصوف۔ ہر لحاظ سے ان پر ایک جمود کی حالت طاری ہے۔

دیکھو! عیسائیت کتنا جھوٹا مذہب ہے۔ وہ ایک بندے کو خدا بناتا ہے مگر اُن کے پادری کس جوش سے کام کرتے ہیں۔ کہیں وہ لوگوں کو علوم سیکھنے کی تحریک کرتے ہیں، کہیں لوگوں کو علوم سکھاتے ہیں، کہیں غرباء کی خدمت کرتے ہیں، کہیں بیماروں کا علاج کرتے ہیں، مصیبت زدہ لوگوں کی مصائب اور مشکلات میں مدد کرتے ہیں اور ان میں ایک استغناء کا رنگ نظر آتا ہے، ایک وقار پایا جاتا ہے۔ مگر ان کے مقابل مسلمان مولویوں کی کیا حالت ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَاللہ ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب میں بددیانتی پائی جاتی ہے۔ مَیں نے بچپن میں ایک دفعہ دیکھا کہ رام باغ امرتسر میں ایک مولوی صاحب جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے ایک غریب آدمی اُن کی منتیں کرتا جاتا تھا اور وہ مولوی صاحب اُسے جھڑکتے اور گالیاں دیتے جاتے تھے۔ آخر مولوی صاحب آگے نکل گئے اور وہ بیچارہ پیچھے رہ گیا۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اُس نے بتایا کہ مَیں مزدوری کرتا ہوں۔ مزدوری سے ہی تھوڑے پیسے

بچا کر اِن مولوی صاحب کے پاس جمع کراتا گیا کہ شادی پر خرچ کروں گا۔ اب سَو یا دو سَو روپیہ جمع ہو گئے تو مَیں نے ان سے واپس مانگے مگر اِس پر یہ مجھے گالیاں دیتے اور جھڑکتے جاتے ہیں اور میری رقم دینے سے انکار کرتے ہیں۔ تو اِن لوگوں میں سے دیانت اور امانت بالکل مٹ گئی ہے اور ایسے حالات میں آج اسلام جس قدر مدد کا محتاج ہے وہ ظاہر ہے۔ جس قدر مدد کا محتاج آج اسلام ہے اور کوئی مذہب نہیں۔ فرض کرو اگر عیسائیت دنیا میں غالب آجائے تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کا نام دنیا سے مٹ گیا۔ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی یعنی وہ تین سو کے قریب تھے اور کفار کا لشکر بہت زیادہ تھا اور بظاہر مسلمانوں کے غلبہ کی کوئی صورت نہ تھی اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر آج یہ مسلمانوں کا چھوٹا سا گروہ مٹ گیا تو دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔[2] وہی حال آج احمدیت کا ہے اگر یہ غالب نہ آئے، اگر احمدیت کا درخت مُرجھا کر رہ گیا تو دنیا میں خدا تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔

پس چاہیے کہ ہمارے سامنے خواہ کس قدر مشکلات ہوں ہم اپنے خون کے آخری قطرہ تک کو خدا تعالیٰ اور اسلام کی راہ میں بہا دیں۔ اور اگر ہم اِس کے لیے تیار نہیں ہیں، اگر ہم اِس قربانی سے ہچکچاتے ہیں، اگر ہمیں ایسا کرنے میں کوئی تامل ہے تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارا سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونا محض ایک دکھاوا ہے، فریب ہے، مکاری ہے اور دغابازی ہے۔ دنیا میں لوگ انسانوں سے دھوکا کرتے ہیں، ایک دوسرے سے فریب کرتے ہیں اور دغابازی سے کام لیتے ہیں اور شریف لوگ ایسے لوگوں کو ادنیٰ اخلاق کا اور بہت گرا ہوا سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اِس وقت خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک نہ کہیں گے، اگر اسلام کے لیے قربانی کرنے سے ہچکچائیں گے تو ہم اُن لوگوں سے بھی گئے گزرے سمجھے جائیں گے جو ایک دوسرے سے دھوکا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ باوجود اپنے گرے ہوئے اخلاق کے اپنے لیڈروں کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ ہم اگر خدا تعالیٰ کی آواز پر بھی لبیک نہ کہیں تو ہم سے وہ دنیا دار لوگ ہی اچھے ہوں گے۔ اور یہ ایک ایسا بدترین مظاہرہ ہو گا جو ہمیں انسانیت کے درجہ سے گرا کر حیوانیت کے درجہ پر پہنچا دے گا۔ بے شک قربانیوں کا رستہ لمبا ہوتا جاتا ہے مگر اچھی طرح

یاد رکھو کہ جب تک کوئی قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اُسے قربانیاں کرنی پڑیں گے۔ قربانی کے بغیر زندگی ممکن ہی نہیں۔ اور جس دن کوئی قوم یہ چاہے کہ خدا تعالیٰ اُس سے قربانی کا مطالبہ نہ کرے، اُس کو ابتلاء میں نہ ڈالے تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ چاہتی ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے چھوڑ دے۔ قربانی کے مطالبہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ اُسے یاد کر رہا ہے۔ اور جو شخص قربانی کے دروازہ کے بند کیے جانے کا خیال بھی دل میں لاتا ہے وہ ایمان کی حقیقت سے واقف نہیں۔ جو امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قربانی کے دروازہ کو بند کر دے وہ گویا دعا کرتا ہے کہ اے خدا! مجھے چھوڑ دے۔ اے خدا! مجھے بُھول جا۔ اے خدا! مجھے کبھی یاد نہ کر۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی دعا کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔ مومن کا جواب تو قربانی کے ہر مطالبہ پر وہی ہوتا ہے اور وہی ہونا چاہیے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

در کوئے تُو اگر سر عشاق را زنند
اول کسے کہ لافِ تعشّق زند منم3

یعنی اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ یار کے کُوچہ میں ہر عاشق کا سر کاٹ دیا جائے گا تو اِس فیصلہ کو سننے کے بعد جو سب سے پہلے یہ کہے گا کہ مَیں عاشق ہوں وہ مَیں ہوں گا۔

خوب یاد رکھو کہ موت ہی میں دراصل زندگی ہے اور قربانی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لیے پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں تیری نسل کو اتنا بڑھاؤں گا کہ اُسے شمار کرنا مشکل ہوگا۔ آپ نے خدا تعالیٰ کی خاطر اپنی نسل کو تباہ کر دینا چاہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ مَیں چاہتا ہوں تُو اپنے بیٹے کو میری راہ میں قربان کر دے تو آپ نے کہا اے میرے رب! مَیں اِس کے لیے تیار ہوں۔ اِس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ مَیں تیری نسل کو کبھی نہ مرنے دوں گا۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تو سب نبیوں سے بلند تر ہے پھر یہ دعا کیوں سکھائی گئی کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ۔اِس کے ہم اَور معنے بھی کرتے ہیں۔ مگر ایک معنے اِس کے یہ بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ مَیں تیری نسل کو کبھی فنا نہ ہونے دوں گا۔ سو درود میں آپؐ کا نام شامل کرکے اللہ تعالیٰ اُس وعدہ کو یاد دلا رہا ہے کہ جو اُس کا ہو جاتا ہے وہ کس طرح اُسے ہمیشہ کے لیے قائم کرا دیتا ہے۔

انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے کہ ایک دفعہ تو تم نے بے چکھے چکھا تھا مگر اب کہ تم اسے چکھ چکے ہو۔ اسے چکھنے کے بعد ایک بار پھر چکھو۔ ایک مٹھائی کو تم نے پہلے بغیر چکھنے کے چکھا تھا مگر اب کہ تم اِس کے مزے سے آشنا ہو چکے ہو۔ ایک دفعہ اسے اَور چکھو۔ اِسی طرح مَیں کہتا ہوں کہ تحریک جدید کا پہلا دَور تو ایسا ہی تھا کہ جیسے بغیر پہلے چکھنے کے کسی مٹھائی وغیرہ کو چکھنا۔ اُس وقت تو کوئی علم نہ تھا کہ یہ بیج جو ہم بو رہے ہیں یہ کتنا بڑا درخت پیدا کرے گا۔ مگر اب کہ تم دیکھ چکے ہو کہ اِس کے نتیجہ میں کتنا بڑا ریزرو فنڈ قائم ہو چکا ہے۔ اِتنا بڑا کہ گو وہ اپنی ذات میں کتنا ہی حقیر ہو مگر ہماری جماعت کی مالی حالت کے لحاظ سے اس کا ہم کبھی خیال بھی نہ کر سکتے تھے۔ پھر اِس کے نتیجہ میں احمدیت کی تبلیغ اور اس کی شہرت دنیا کے چاروں طرف پھیل چکی ہے۔ ہماری تنظیم اُس سے بہت زیادہ مضبوط ہو چکی ہے جتنی دس سال قبل تھی۔ اور آج ہماری جماعت ہر لحاظ سے دس سال قبل کی نسبت اللہ تعالیٰ کے فضل سے کئی گُنا اچھی ہے۔ تو مَیں کہتا ہوں کہ جو کام پہلے دَور میں آپ لوگوں نے چکھے بغیر کیا تھا وہی اب کہ اِس کی لذت سے آپ لوگ آشنا ہو چکے ہیں آپ کو چاہیے کہ اَور بھی زیادہ جوش کے ساتھ کریں۔ اور چونکہ کسی کام میں حصہ لینے کی طرف رغبت دلانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کام کی اہمیت بیان کر دی جائے اِس لیے مَیں مختصر طور پر اب یہ بتاتا ہوں کہ وہ کام کیا ہے جس سے ہم دنیا میں حرکت پیدا کر سکتے ہیں۔ تحریک جدید کا کام تبلیغ کو منظّم اور زیادہ وسیع کرنا ہے۔ میرے نزدیک تبلیغ کا کام تین حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔

(1) تبلیغ بیرون ہند

(2) تبلیغ اندرون ہند

(3) مبلغ تیار کرنے والا نظام۔

تبلیغ بیرون ہند کے کئی حلقے ہیں۔ ایک حلقہ اِن میں سے اسلامی ممالک کا ہے۔ یہ ممالک اِس بات کے حق دار ہیں کہ ہدایت اُن تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے کہ انہی ممالک کے لوگوں کے ذریعہ اسلام پھیلا اور ہم تک پہنچا۔ ان ممالک میں آج جو لوگ بستے ہیں اُن کے آباء و اجداد کا یہ احسان تھا کہ انہوں نے اسلام کو پھیلایا اور اِس طرح وہ ہم تک پہنچا۔ اِس لیے ہمارا فرض ہے کہ آج جب اُن کی اولادیں اسلام سے غافل ہو چکی ہیں ہم پھر اُنہیں اسلام کی طرف لائیں۔ اِس حلقہ میں عراق، شام، فلسطین، مصر، ایران، لبنان (گو اس ملک میں عیسائی زیادہ آباد ہیں مگر پھر بھی یہ اسلامی تحریک کا مرکز ہے) وغیرہ ممالک ہیں۔ اِن ممالک میں کم سے کم دو دو مبلغ ہونے چاہییں۔ ایک ایک ملک کے لیے دو دو مبلغ بہت ہی کم ہیں۔ دو مبلغ تو ضلع گورداسپور کے لیے بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ مگر فِی الحال اگر ہم اِن ممالک کے لیے دو دو مبلغ بھی رکھیں تا کم سے کم وہاں اسلام کی آواز اُٹھتی رہے تو بھی یہ بارہ مبلغ ہوئے۔ اِس کے بعد ایک حلقہ افریقن ممالک کا ہے۔ ان میں سے اکثر میں اسلامی آبادی ہی زیادہ ہے اور ان میں مسلمان بکثرت آباد ہیں۔ مثلاً سوڈان، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ، سیرالیون، آزاد علاقہ یعنی لائبیریا، پانچ فرانسیسی علاقے، بیلجین کانگو اور پرتگیزی علاقہ میں۔ کُل بارہ علاقے ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک کے لیے اگر تین تین مبلغ بھی رکھے جائیں تو اِس کے یہ معنی ہیں کہ 36 مبلغ اِن علاقوں کے لیے درکار ہیں۔ پھر یورپین ممالک ہیں انگلینڈ، جرمنی، فرانس، اٹلی، ہالینڈ اور سپین تو بڑے ملک ہیں۔ اِن کے علاوہ مشرقی اور شمالی یورپ کے ممالک کا اگر ایک ایک دائرہ شمار کیا جائے تو یہ کل آٹھ علاقے ہوتے ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک کے لیے اگر تین تین مبلغ رکھے جائیں تو ان ممالک کے لیے کل 24 مبلغین کی ضرورت ہے۔ اِس کے بعد امریکہ ہے جس میں کینیڈا، یونائیٹڈ سٹیٹس اور جنوبی امریکہ کی ریاستیں ہیں۔ اِن کے لیے ضرورت تو بہت زیادہ مبلغین کی ہے لیکن اگر اِن کے پانچ حلقے مقرر کر کے ہر ایک کے لیے تین تین مبلغ رکھے جائیں تو پندرہ مبلغ یہ ہوئے۔ اِس کے بعد مشرقی ممالک ہیں چین، سماٹرا، جاوا، سٹریٹ سیٹلمنٹ اور جاپان ہیں۔ اگر جاپان اور چین کے لیے چھ مبلغ ہوں۔ جاوا، سماٹرا وغیرہ میں احمدیت خدا کے فضل سے ایک حد تک پھیل چکی ہے مگر پھر بھی ان کے لیے دس مبلغ کم سے کم ہونے چاہییں اور سٹریٹ سیٹلمنٹ کے لیے تین۔ گویا کُل 19 ہوئے۔

یہ قلیل سے قلیل تعداد مبلغین کی ہے جس سے دنیا میں ایک حرکت پیدا کی جاسکتی ہے۔ یوں تو ہر ملک میں اِس سے بہت زیادہ مبلغین کی ضرورت ہے۔ مثلاً انگلستان، جرمنی، فرانس وغیرہ ممالک کے لیے تین مبلغ کافی نہیں ہوسکتے۔ لیکن فِی الحال اگر تین تین بھی بھیجے جاسکیں تو کام شروع کیا جاسکتا ہے۔ ایک اِن میں سے کوئی رسالہ وغیرہ نکال لے، ایک دورے وغیرہ کرتا رہے اور ایک ہیڈ کوارٹر میں رہے، کتب وغیرہ فروخت کرے اور چھوٹے پیمانے پر کوئی لائبریری وغیرہ جاری کرلے۔ یہ صرف کام شروع کرنے کے لیے ہے ورنہ تین تین مبلغین بہت تھوڑے ہیں۔ قادیان ایک چھوٹی سی بستی ہے اور پندرہ بیس علماء یہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں پھر بھی شور رہتا ہے کہ آدمی کافی نہیں ہیں اور اِس لحاظ سے جن ممالک کی آبادی پانچ چھ کروڑ ہو وہاں تین مبلغین کی مثال ایسی بھی نہیں جیسے آٹے میں نمک کی۔ ان کی حیثیت اِتنی بھی نہیں جتنی جسمِ انسانی کے ایک بال کی جو نسبت جسم میں ہے پانچ چھ کروڑ آبادی کے ملک میں تین مبلغین کی نسبت اِتنی بھی نہیں بنتی۔ اور یہ تعداد صرف اِتنی ہی ہے جو جھنڈا بلند رکھے اِس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ مبلغ ساری عمر وہاں نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ اِن کے بیوی بچے یہاں ہوں گے۔ ان سے ملنے نیز دین کی تعلیم کو تازہ کرنے کے لیے ان کو تین چار سال کے بعد واپس بلانا لازمی ہو گا۔ اِس لیے کم سے کم دُگنی تعداد ہی کام دے سکتی ہے۔ یہ حلقہ وار مبلغین کی تقسیم جو مَیں نے بیان کی ہے اِس کی مجموعی تعداد 106 بنتی ہے۔ پس اتنے ہی مبلغ ہمیں یہاں رکھنے پڑیں گے تا تین تین یا چار چار سال کے بعد ان کا آپس میں تبادلہ ہوتا رہے۔ غیر ممالک میں کام کرنے والے تین چار سال کے بعد قادیان آجائیں اور یہاں جو ہوں وہ اُن کی جگہ جاکر کام کریں۔ ورنہ غیر ممالک میں کام کرنے والے مبلغین کی مثال ویسی ہی ہوگی جو اِس وقت ہمارے امریکہ کے مبلغ کی ہے۔ ان کو کچھ مشکلات درپیش ہیں اور وہ واپس آنا چاہتے ہیں اور وہ لکھ رہے ہیں کہ مجھے واپس آنے دیا جائے۔ مَیں نے صدر انجمن احمدیہ سے کہا بھی ہے کہ ان کو بعض خاندانی مشکلات ہیں ان کو واپس بلایا جائے مگر اِس نے ابھی تک کوئی انتظام نہیں کیا۔ صدر انجمن احمدیہ نے بعض نام امریکہ میں بطور مبلغ بھیجنے کے لیے میرے سامنے پیش کیے ہیں مگر ان میں ایک صاحب ایسے ہیں کہ جو 24 سال سے قادیان نہیں آئے۔

کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ گھر سے نکلوں تو نزلہ کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب ایسے ہیں جو اِس وقت موتیا بند کی مرض میں مبتلا ہیں۔ ایک ان میں سے انٹرنس (ENTRANCE) فیل یا شاید انٹرنس (ENTRANCE) پاس ہیں اور اس طرح بہت سے ایسے نام میرے پیش کر دیے گئے ہیں کہ جن کو نہ دینی تعلیم ہے اور نہ دنیاوی۔ یہ نتیجہ آدمی تیار نہ کرنے کا ہوتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ صدر انجمن احمدیہ کو یہ نام پیش کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ انجمن میں پانچ سات تعلیم یافتہ اور ذمہ دار آدمی ہیں۔ جب وہ یہ رپورٹ میرے پاس بھجوانے کے لیے لکھ رہے تھے اُن کے ہاتھ کیوں نہ کانپ گئے۔ یہ تمسخر ہے جو خدا، رسول اور اُس کے خلیفہ سے کیا گیا۔ امریکہ میں جو علمی لحاظ سے چوٹی کا ملک ہے کسی انٹرنس فیل یا انٹرنس پاس کو بطور مبلغ بھیج دینا جو دینی علوم سے بھی کورا ہے یا ایک ایسے شخص کو بھیج دینا جو 24 سال سے قادیان اِس واسطے نہ آئے ہوں کہ گھر سے نکلیں تو بیمار ہو جاتے ہیں جگ ہنسائی کی بات ہے۔ درحقیقت یہ نتیجہ ہے آدمی تیار نہ کرنے کا۔ مگر ہم ایسی غلطی اِنْشَاءَ اللّٰہُ نہ کریں گے۔ ہم اگر 106 مبلغ بیرونی ممالک میں بھیجیں گے تو اتنے ہی یہاں رکھیں گے تا پہلے مبلغ تین چار سال کے بعد واپس آسکیں اور دوسرے ان کی جگہ لے سکیں۔ اِس انتظام کے بغیر کوئی تبلیغی مرکز کھولنا ہنسی اور مذاق ہو گا۔

اِن تبلیغی مراکز کے علاوہ یہاں ایک تعلیمی ادارہ کا ہونا بھی ضروری ہے جس میں علماء تیار ہوتے رہیں کیونکہ کسی جماعت کی زندگی کا انحصار اُس کے علماء پر ہوتا ہے۔ اِس لیے علاوہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے اساتذہ کے چھ ایسے علماء کا مرکز میں موجود رہنا ضروری ہے جو چوٹی کے علماء تیار کر سکیں اور جو ہر وقت مرکز میں موجود ہوں۔ پھر اِسی طرح ہندوستان میں دوسرے مقامات پر بھی مرکز کھولنے چاہییں۔ اِس کے بغیر تعلیمی تنظیم مکمل نہیں ہو سکتی۔ بنگال، بہار اور یوپی وغیرہ کے طالب علم قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بکثرت نہیں آسکتے۔ کیونکہ ایک تو یہاں آکر تعلیم حاصل کرنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے دوسرے بعض اپنے اپنے علاقہ کے رسم ورواج کی مشکلات ہوتی ہیں اور پھر بعض والدین بھی بچوں کو اپنے سے جُدا کر کے کسی اَور جگہ پر بھیجنے سے کتراتے ہیں اور اِس لیے جب تک مختلف مقامات پر

تعلیمی مراکز قائم نہ کیے جائیں فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میرے نزدیک ایک مدرسہ دینیہ بنگال اور بہار کے لیے ہونا چاہیے، ایک سندھ کے لیے، ایک صوبہ بمبئی کے لیے، ایک مدراس کے لیے اور ایک صوبہ سرحد کے لیے اور ایک یوپی کے لیے۔ اِن مراکز کے قائم کرنے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان علاقوں کے طلباء ان میں تعلیم حاصل کریں گے۔ بنگال کا ایک لڑکا اگر قادیان میں تعلیم حاصل کرنے آتا ہے تو اُس سے باقی بنگالیوں میں اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے قادیان بھیجنے کا زیادہ شوق پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ان کے لیے بنگال میں ہی ایک تعلیمی مرکز کھول دیا جائے تو ضرور دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق ان میں پیدا ہوگا اور یہی حال دوسرے صوبوں کا ہے۔ اگر ہم صوبہ مدراس کے لیے دو چوٹی کے عالم مقرر کر دیں، دو بنگال کے لیے، دو بمبئی کے لیے، دو سندھ کے لیے، دو صوبہ سرحد کے لیے اور دو یوپی اور بہار کے لیے تو اِس سے ان علاقوں میں دینی تعلیم کے حصول کا شوق بہت جلد پیدا ہو جائے گا اور ہر علاقہ میں ایسے علماء پیدا ہو جائیں گے جو علم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے علاقوں کو سنبھال سکیں گے۔ اِس طرح بارہ مدرّس ان مراکز کے لیے درکار ہوں گے۔ ان کے علاوہ دو عالم زائد رکھنے ہوں گے تا ان میں سے اگر کسی کو رخصت وغیرہ پر آنا پڑے یا کوئی بیمار ہو جائے تو کام بند نہ ہو۔ اِس طرح یہ بیس علماء رکھنے ضروری ہیں۔ اِس انتظام کے بغیر ہم علمِ دین کو عام نہیں کر سکتے۔ اور جب تک علماء عام نہ ہوں تربیت کا کام ناقص رہے گا۔ اب بھی یہ شکایت عام ہو رہی ہے کہ جماعتیں تو قائم ہو رہی ہیں مگر انہیں سنبھالنے والے آدمی بہت تھوڑے ہیں اور اِس طرح جماعت کی ترقی میں بھی روک پیدا ہو رہی ہے اور تربیت میں بھی نقص رہتا ہے۔ لیکن اگر اِس طرح مختلف صوبوں میں ہم مدارس قائم کر دیں تو بیسیوں علماء پیدا ہو سکیں گے اور جماعت بھی ان کے ذریعہ بہت ترقی کرے گی۔ ایک ایک عالم کے ذریعہ بعض اوقات سینکڑوں ہزاروں لوگ احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔ بنگال میں ایک عالم مولوی عبدالواحد صاحب گزرے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ان کی خط و کتابت بھی براہین احمدیہ حصہ پنجم میں شائع شدہ ہے۔ ان کے ذریعہ بنگال میں ہزاروں لوگوں نے بیعت کی۔ تو جہاں جہاں بھی کوئی بڑا عالم ہوا ہے سینکڑوں ہزاروں نے اُس کے ذریعہ بیعت کی ہے۔

پس اگر اِس طرح ہم علماء تیار کر سکیں تو تبلیغ کے کام میں بھی بہت ترقی ہو سکتی ہے اور لوگوں میں دینی ذوق پیدا ہونے کا سامان بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر مختلف صوبوں میں قائم شدہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے چھ چھ طلباء کو بھی وظائف دیے جائیں تو کم سے کم 36 طلباء کا مزید بوجھ سلسلہ پر پڑے گا۔

اِس سلسہ میں تیسری چیز دیہاتی سکیم کی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میری توجہ اِس طرف منعطف ہوئی کہ ہمارے موجودہ مبلغ چونکہ اعلیٰ تعلیم پاتے ہیں اور شہری تمدن رکھتے ہیں۔ اِس لیے وہ دیہات میں اور زمینداروں میں تبلیغ کا کام کَمَا حَقُّہٗ نہیں کر سکتے۔ دیہاتیوں میں تبلیغ وہی کر سکتا ہے جو اُن میں رہے، اُن جیسا ہی تمدن رکھتا ہو۔ چنانچہ دیہات میں جہاں جہاں بھی جماعتیں قائم ہوئی ہیں وہ عام طور پر پٹواریوں، دیہاتی مدرّسوں اور نمبرداروں وغیرہ کے ذریعہ سے ہوئی ہیں۔ اور اب بھی جہاں کوئی پٹواری یا مدرّس احمدی ہو تھوڑی بہت جماعت بڑھتی رہتی ہے اور خدا تعالیٰ نے سامان بھی ایسے کر دیے کہ بہت سے پٹواری، دیہاتی مدرّس اور نمبردار وغیرہ جماعت میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ چونکہ دیہاتیوں میں ہی رہتے اور اُن سے ملتے جُلتے رہتے ہیں اس لیے زیادہ کامیابی کے ساتھ اُن کو تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اِس لیے مَیں نے خیال کیا کہ دیہات کی تبلیغی ضرورت کو پورا کرنے والے علماء تیار کیے جائیں۔ چنانچہ مَیں نے دیہاتی مبلغین کی سکیم تیار کی۔ دیہات میں تبلیغ کرنے والوں کو زیادہ منطق اور فلسفہ وغیرہ علوم کی ضرورت نہیں۔ بلکہ قرآن کریم کا ترجمہ، تفسیر، کچھ حدیث کا علم اور کچھ فقہی مسائل کا علم ہونا کافی ہے اور کچھ طب کا جاننا ضروری ہے تا وہ تکلیف کے وقت دیہاتیوں کی مدد کر سکیں اور خود بھی کچھ کما سکیں۔ دیہاتی مبلغین کی ہمیں کس قدر ضرورت ہے؟ اِس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اندازاً تین سَو اضلاع ہیں۔ ہر ضلع میں اوسطاً چار تحصیلیں ہیں اور ہر تحصیل میں کم و بیش پانچ سَو دیہات ہیں۔ گویا ایک ضلع میں دو ہزار کے قریب دیہات ہیں اور اِس طرح ہندوستان بھر میں دیہات کی تعداد قریباً چھ لاکھ ہے اور ریاستی علاقہ برطانی ہند کے 1/3 کے قریب ہے۔ اِس لیے قریباً دو لاکھ گاؤں ریاستوں کے ہیں اور اُنہیں شامل کر کے ہندوستان کے کُل دیہات کی تعداد کم و بیش آٹھ لاکھ ہو جاتی ہے۔ اِس لحاظ سے

ابھی ہر جگہ مبلغ رکھنے کا تو ہم واہمہ بھی نہیں کر سکتے سوائے اِس کے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق دیدے کہ وہ تبلیغ کے لیے باہر نکل جائے۔ موجودہ صورت میں تو اگر ایک ایک مبلغ کے سپرد پچاس پچاس گاؤں بھی کیے جائیں تو بھی کم سے کم سولہ ہزار مبلغ درکار ہوں گے اور ہم تو یہ بھی فِی الْحال نہیں کر سکتے حالانکہ ایک آدمی کا پچاس دیہات میں تبلیغی کام کرنا بہت مشکل ہے۔ ایک آدمی زیادہ سے زیادہ پندرہ سولہ دیہات میں کام کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم اعلیٰ پیمانہ پر کام نہ کر سکیں تو اِس کے یہ معنے نہیں کہ بالکل ہی نہ کریں۔ اس لیے فِی الْحال ہم سَو دیہاتی مبلغوں سے بھی کام شروع کر سکیں تو بھی بڑی بات ہے۔ ان کے ذریعہ اَور جماعتیں پیدا ہوں گی اور وہ اَور بوجھ اٹھائیں گی اور اُن کے ذریعہ اَور ہوں گی اور آگے وہ بھی اَور بوجھ اٹھائیں گی اور اِس طرح یہ سلسلہ خدا تعالیٰ چاہے تو ترقی کرتا جائے گا۔ اور جُوں جُوں جماعت ترقی کرتی جائے گی یہ بنیاد مضبوط ہوتی چلی جائے گی۔ اور جتنی جتنی بنیاد مضبوط ہوتی جائے گی اُتنی اُتنی ہی عمارت اونچی ہوتی جائے گی۔

اب اِن کاموں کے اخراجات کا اندازہ سن لیں جو قلیل ترین اخراجات کا ہے۔ بیرونی ممالک کے لیے جو 106 مبلغ ہوں گے ان میں سے ہر ایک کے لیے اگر سات سو روپیہ ماہوار سفر خرچ اور لٹریچر کے خرچ کو شامل کر کے رکھا جائے جو بہت ہی تھوڑا ہے تو یہ خرچ چوہتّر ہزار دو سو روپیہ ماہوار ہو گا اور سال کا یہ خرچ آٹھ لاکھ نوّے ہزار دو سو روپیہ ہو گا۔ اور 106 مبلغ جو ریزرو رہیں گے اور جن سے پہلے گروپ کا تبادلہ ہوتا رہے گا، ہندوستان میں چونکہ خرچ تھوڑا ہوتا ہے اور اُنہیں سفر بھی کم کرنا پڑے گا گو اُن سے بھی ہندوستان میں کام لیا جائے گا ان میں سے ہر ایک کے لیے اگر دو سو روپیہ ماہوار خرچ رکھا جائے تو ان پر کُل خرچ 24,200 روپیہ ماہوار ہو گا۔ گویا ان پر سالانہ خرچ دو لاکھ چوّن ہزار چار سو روپیہ ہو گا۔ مدرّسین میں سے ہر ایک کا خرچ بھی اگر دوسَو روپیہ ماہوار رکھا جائے تو بیس مدرّسین کا ماہوار خرچ چار ہزار اور سالانہ اڑتالیس ہزار ہو گا۔ چھتیس طلباء میں سے ہر ایک کو اگر بیس روپیہ وظیفہ دیا جائے تو اِن وظائف پر سال بھر میں 8640 روپیہ صَرف ہو گا۔ اِس کے علاوہ دفتری اخراجات ہیں، نگرانی کے اخراجات ہیں، عملہ کے اخراجات ہیں، ڈاک تار وغیرہ کے

اخراجات ہیں اور یہ سب ملا کر میرا اندازہ ہے کہ اِن پر ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ خرچ آئے گا اور اِس طرح گویا کُل خرچ 13,98,700 روپیہ ہو گا۔ اور اِتنے اخراجات سے ہم جو کام شروع کریں گے اُس کی حیثیت آٹے میں نمک کی ہوگی۔ ہم نے یہ جو اندازہ کیا ہے یہ قریباً 350 مبلغین کا، دیہاتی مبلغین اور مدرّسین کو ملا کر ہے۔ مگر عیسائیوں کی ایک ایک سوسائٹی کے دس دس ہزار مثلاً اِس وقت کام کر رہے ہیں اور اُن کے کُل مبلغین کی تعداد پچھتّر ہزار ہے جن کے دو لاکھ کے قریب مددگار بھی ہیں۔ اور ہم نے ان سب کا مقابلہ کرنا ہے۔ اور دنیا بھر میں عیسائی مشنریوں کی کُل تعداد کا اندازہ بیس لاکھ کے قریب ہے۔ ان کا ہی نہیں حکومت کا اندازہ ہے کہ ہندوستان میں چھ لاکھ کے قریب ہندو سادھو ہیں جو ملک میں پھرتے رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مذہب کا مبلغ ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اتنی بڑی تعداد کے مقابلہ میں ہم 350 مبلغ بھیج بھی دیں تو اتنی بڑی تعداد سے ان کی نسبت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ 350 مبلغ بھیجنے کے لیے بھی ہمیں قریباً ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور بظاہر ہماری جماعت یہ بوجھ اٹھانے کے بھی قابل نہیں ہے اور اگر ہم اس کام کا فِی الْحال چوتھا حصہ بھی شروع کریں تو بھی اسے شروع کرنے کے لیے 3,42,475 روپیہ کی ضرورت ہے۔ مشرقی ممالک میں اور افریقہ کے بعض ممالک ایسے ہیں جن میں اخراجات یورپین ممالک کی نسبت کم ہوتے ہیں۔ پھر افریقہ کے بعض علاقے ایسے ہیں کہ جہاں کے احمدی کچھ عرصہ کے بعد تبلیغ کا کچھ خرچ خود بھی برداشت کر سکیں گے۔ اسے مدنظر رکھتے ہوئے اگر ساڑھے تین لاکھ روپیہ کُل اخراجات کی رقم سے کم بھی کر دیا جائے تو بھی 10,09,900 روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر اِس کا بھی نصف کیا جائے پھر بھی قریباً پانچ لاکھ روپیہ سالانہ چاہیے۔ اِس سلسلہ میں ایک اَور سوال یہ ہے کہ ابھی ہمارے پاس اِتنے علماء تیار بھی نہیں ہیں۔ اِس وقت ساڑھے تین سو میں سے صرف چالیس آدمی ہمارے پاس ہیں اور وہ بھی ابھی تیار ہو رہے ہیں زیادہ مبلغ تیار ہونے میں ابھی تین چار سال اَور لگیں گے اور اس کے بعد اس چھوٹی سکیم پر کام شروع کیا جاسکے گا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ پس جب تک پورے مبلغ تیار ہوں اُس وقت تک دو لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہو گا۔ اِس وقت تک ہم نے جو

ریزرو فنڈ قائم کیا ہے اُس کی آمد اگر ایک لاکھ روپیہ سالانہ تک بڑھ جائے تو پانچ سال میں کہیں جاکر وہ سابق قرض کو اُتار سکے گی۔ پس اس کی آمد پر ہم ابھی کسی کام کا بوجھ نہیں رکھ سکتے۔

اِس لیے مَیں تحریک کرتا ہوں کہ دوست آگے آئیں اور جس طرح تحریک جدید کے دس سالہ دَور میں وہ ہر سال اپنے چندوں کو بڑھاتے گئے ہیں اُسی طرح آئندہ نو سالوں میں ہر پہلے سال کے چندہ کے برابر چندہ دیتے جائیں یعنی گیارھویں سال میں اپنے نویں سال کے چندہ کے برابر دیں، بارھویں سال میں آٹھویں سال کے برابر، تیرھویں سال میں ساتویں سال کے برابر، چودھویں میں چھٹے سال کے برابر، پندرھویں میں پانچویں سال کے برابر، سولھویں میں چوتھے سال کے برابر، سترھویں میں تیسرے سال کے برابر، اٹھارھویں میں دوسرے سال کے برابر اور اُنیسویں سال میں پہلے سال کے برابر چندہ دیں (اس کے بعد موقع کے لحاظ سے پھر حالات پر غور کر کے فیصلہ کیا جائے گا) اِس طرح اُن کے چندہ کی رقم ہر سال بڑھنے کے بجائے کم ہوتی جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اِس نئے دَور میں بعض لوگ حصہ نہ لے سکیں۔ بعض پنشنوں پر آگئے ہوں۔ کچھ دوست وفات پاگئے ہوں گے اِس لیے ہو سکتا ہے کہ پہلے دَور کی نسبت اب چندہ کم ہو۔ مگر ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت دی ہو اور جو بڑھ کر حصہ لیں۔ وہ دسویں سال کے برابر ہی دیں یا اس سے بھی بڑھا دیں۔ بہر حال ہر دوست جس سال کا چندہ دے کم سے کم اُس کے مقابل کے سال کے چندہ کی رقم کے برابر دے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ریزرو فنڈ پر کوئی بار نہ پڑے گا اور وہ زیادہ مضبوط ہوتا جائے گا۔

دوسری تحریک مَیں یہ کرتا ہوں کہ پانچ ہزار دوستوں کی ایک نئی جماعت آگے آئے جو اِس تحریک میں حصہ لے۔ جس طرح پہلے دَور میں حصہ لینے والوں کے چندہ کی رقم ہر سال کم ہوتی جائے گی ان کے چندہ کی رقم ہر سال بڑھتی جائے گی۔ مگر ان نئے شامل ہونے والوں کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ ہر سال کم سے کم ایک ماہ کی آمد کے برابر چندہ دیں اور پھر ہر سال اس میں اضافہ کرتے جائیں۔ اضافہ خواہ ایک آنہ بلکہ ایک پیسہ کا ہی ہو مگر وہ اضافہ کرتے ضرور جائیں۔ پس آج مَیں یہ دو تحریکیں کرتا ہوں۔ دوست اِن میں حصہ لیں اور

جب تک ہمارا ریزرو فنڈ مضبوط نہ ہو جائے اِس طرح اِس بوجھ کو اٹھائیں۔ امید ہے کہ سال ڈیڑھ سال میں اب جنگ ختم ہو جائے گی۔ چھ سات ماہ تک یورپ کی جنگ ختم ہو جانے کی امید ہے اور اگر جرمنی کی طاقت کا خاتمہ ہو جائے تو جاپان زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکے گا اور اِس طرح رستے کُھل جائیں گے۔ اور ہمیں چاہیے کہ اگلی جنگ جس کے سامان دنیا پیدا کر رہی ہے اور جس کی خبر مجھے اللہ تعالیٰ نے دو سال ہوئے دے دی تھی اور جو مَیں یہاں بیان بھی کر چکا ہوں۔ گو نام ظاہر نہیں کیے گئے اور چھپی ہوئی موجود ہے۔ اس کے شروع ہونے تک کے درمیانی وقفہ سے فائدہ اٹھائیں اور جتنا فائدہ اٹھایا جاسکے اٹھائیں۔

اِس کے علاوہ مَیں نے قرآن کریم کے تراجم کی تحریک بھی کی ہے۔ اُن سے تبلیغ کو بہت مدد ملے گی۔ مختلف زبانوں میں لٹریچر کا نہ ہونا تبلیغ کے رستہ میں بڑی روک تھی جو خدا تعالیٰ نے چاہا تو اب دور ہو جائے گی۔ ایک اَور روک یہ بھی رہی ہے کہ ہم مبلغین کو صرف اُتنا ہی خرچ دیتے ہیں کہ وہ کھانا کھا سکیں۔ انگلینڈ کے مبلغ کو خرچ اُتنا ہی ملتا ہے کہ وہ روٹی کھا سکے یا مکان کی معمولی مرمت وغیرہ کرا سکے۔ کرایوں وغیرہ کے لیے کافی رقم نہیں دی جاسکتی کہ سفر کرے اور اس طرح تبلیغ کے کام کو وسیع کرے۔ اور جب کوئی مبلغ دورہ نہ کرسکے تو جانے کا فائدہ ہی کیا۔ پھر تبلیغ کے لیے کافی لٹریچر چاہیے اور ہم اب تک وہ بھی مہیا نہیں کر سکے۔ اب تک تو یہ حالت ہے کہ ہم صرف مبلغ بھیج دیتے ہیں مگر تبلیغ کے لیے کافی سامان مہیا نہیں کرتے۔ گویا ہم صرف اُسے اِس لیے کسی بیرونی ملک میں بھیج دیتے ہیں کہ وہاں جاکر روٹی کھاؤ۔ یہاں کی روٹی تمہیں ہضم نہیں ہو سکتی اس لیے انگلستان میں جاکر کھاؤ یا امریکہ میں جاکر کھاؤ۔ گو امریکہ میں یہ حالت نہیں۔ وہاں کی جماعت مبلغ کے دورہ کے اخراجات برداشت کر لیتی ہے۔ مگر انگلینڈ میں ایسا نہیں۔ پس ضروری ہے کہ جو مبلغ بیرونی ممالک میں جائیں اُن کے لیے کافی رقم سفر خرچ کے لیے مہیا کی جائے، کافی لٹریچر مہیا کیا جائے اور پھر سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اُن کی واپسی کا انتظام کیا جائے۔ ہر تیسرے سال مبلغ کو واپس بھی بلانا چاہیے۔ اور پرانے مبلغوں کو بلانے اور نئے بھیجنے کے لیے کافی روپیہ مہیا کرنا ضروری ہے۔ ابھی ہم نے تین نوجوانوں کو افریقہ بھیجا ہے۔ وہ ریل کے تھرڈ کلاس میں اور لاریوں میں سفر

کریں گے۔ مگر پھر بھی 17، 18 سو روپیہ اُن کے سفر خرچ کا اندازہ ہے۔ اگر ہم یہ اندازہ کریں کہ ہر سال 33 فیصدی مبلغ واپس بلائے جائیں گے اور 33 فیصدی اُن کی جگہ بھیجے جائیں گے اور ہر ایک کے سفر خرچ کا تخمینہ پندرہ سو روپیہ رکھیں تو صرف یہی خرچ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا ہو گا اور یہ صرف سفر خرچ ہے۔ اور اگر مبلغین کو چار چار سال کے بعد بلائیں تو یہ خرچ پھر بھی پچھتّر ہزار روپیہ ہو گا اور کم سے کم اتنے عرصہ کے بعد ان کو بلانا نہایت ضروری ہے تا اُن کا اپنا ایمان بھی تازہ ہوتا رہے اور اُن کے بیوی بچوں اور خود اُن کو بھی آرام ملے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ حکیم فضل الرحمان صاحب کو باہر گئے ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے اور انہوں نے اپنے بچوں کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ جب وہ گئے تو اُن کی بیوی حاملہ تھیں۔ بعد میں لڑکا پیدا ہوا اور اُن کے بچے پوچھتے ہیں کہ اماں! ہمارے ابّا کی شکل کیسی ہے؟ اِسی طرح مولوی جلال الدین صاحب شمس انگلستان گئے ہوئے ہیں اور صدر انجمن احمدیہ اِس ڈر کے مارے ان کو واپس نہیں بلاتی کہ ان کا قائم مقام کہاں سے لائیں۔ اور کچھ خیال نہیں کرتی کہ اُن کے بھی بیوی بچے ہیں جو اُن کے منتظر ہیں۔ اُن کا بچہ کبھی کبھی میرے پاس آتا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا ہے کہ میرے ابّا کو واپس بلا دیں۔ پھر اِتنا عرصہ خاوندوں کے باہر رہنے کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں اور آئندہ نسل کا چلنا بند ہو جاتا ہے۔ ایک اَور مبلغ باہر گئے ہوئے ہیں اُن کے بچہ نے جو خاصا بڑا ہے نہایت ہی دردناک بات اپنی والدہ سے کہی۔ اُس نے کہا امّاں دیکھو! ہمارا فلاں رشتہ دار بیمار ہوا تو اُس کا بیٹا اُسے پوچھنے کے لیے آیا۔ تم نے ابّا سے کیوں شادی کی جو کبھی ہمیں پوچھنے بھی نہیں آیا؟ اُس نے بچپن کی وجہ سے یہ تو نہ سمجھا کہ اگر یہ شادی نہ ہوتی تو وہ پیدا کہاں سے ہوتا اور اِس طرح ہنسی کی بات بن گئی۔ مگر حقیقت پر غور کرو تو یہ بات بہت ہی دردناک ہے۔ اس کے والد عرصہ سے باہر گئے ہوئے ہیں اور ہم اُن کو واپس نہیں بلا سکے۔ پس یہ بہت ضروری ہے کہ مبلغین کو تین چار سال کے بعد واپس بلایا جائے اور ایک مبلغ کو واپس بلانے پر اگر وہ تھرڈ کلاس میں سفر کرے، دک پر یعنی کھُلے میدان میں سوئے، ہزاروں میل لاریوں میں سفر کرے تو بھی اُس کا خرچ کم سے کم پندرہ سو روپیہ ہو گا اور اُس کے قائم مقام کے جانے کا خرچ بھی اِتنا ہی ہو گا۔ اگر چھوٹی سے چھوٹی سکیم بھی

جاری کی جائے اور ہر چار سال کے بعد مبلغین کو تبدیل کیا جائے تو بھی پچھتّر ہزار روپیہ اِس پر خرچ ہو گا اور اگر اس سے کم عرصہ کے بعد تبدیلی ہو تو اس سے بھی زیادہ خرچ ہو گا اور اِس طرح اخراجات اِس قدر زیادہ ہیں کہ اگر جماعت خوشی اور ہمت کے ساتھ قربانی کے لیے تیار نہ ہو تو انہیں پورا نہیں کیا جاسکتا۔

پس آج مَیں خدا تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے تحریک جدید کے دورِ ثانی کا اعلان کرتا ہوں۔ اور پھر یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ علاوہ پرانے انصار کے نئے پانچ ہزار دوست اَور آگے آئیں جنہوں نے پہلے دَور میں حصہ نہیں لیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کم سے کم ایک ماہ کی آمد کے برابر حصہ لے۔ پھر مَیں یہ بھی کہتا ہوں کہ دوست دعائیں بھی کریں۔ ریزرو فنڈ کی مضبوطی کی کچھ مزید تجاویز جن میں سے بعض زرعی اور بعض صنعتی ہیں میرے ذہن میں ہیں۔ دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں کامیاب کرے اور خدا تعالیٰ اپنے سلسلہ کو ایسے خادم دے جو دیانتداری اور محنت سے کام کرنے والے ہوں۔ اور ہمارے کاموں میں برکت دے تا بجائے اِس کے کہ وہ سونے میں ہاتھ ڈالیں تو وہ مٹی ہو جائے وہ مٹی میں بھی اگر ہاتھ ڈالیں تو وہ سونا بن جائے اور خدا تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطا کرے۔ مَیں اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے جماعت کے دوستوں میں محبّت پیدا کرے گا اور پھر جو کوتاہی رہ جائے گی اُسے وہ اپنے فضل سے پورا کر دے گا۔ یہ اُسی کا کام ہے اور اُسی کی رضا کے لیے مَیں نے یہ اعلان کیا ہے۔ زبان گو میری ہے مگر بُلاوا اُسی کا ہے۔ پس مبارک ہے وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بُلاوا سمجھ کر ہمت اور دلیری کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ رحم کرے اُس پر جس کا دل بزدلی کی وجہ سے پیچھے ہٹتا ہے۔ آمِیْنَ"۔ (الفضل 28/ نومبر 1944ء)

---

1 :**سوانگ:** تماشہ، شعبدہ، نقل (فیروز اللغات اردو جامع)

2 : صحیح مسلم کتاب الجهاد باب الامداد بالملائكة فى غزوة بدر

3 : درثمین فارسی صفحہ 143 مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ